جلد01شمارہ 2024، 17

Article

Judicial System of Pakistan and Urdu Novel of 21st century, an Analytical Study

(In the context of "Haider Goth Ka Bakshan")

پاکستان کا عدالتی نظام اور اکیسویں صدی کا اردو ناول ایک تجزیاتی مطالعہ

("حیدر گوٹھ کا بخشن" کے تناظر میں)

Dr. Mushtaq Ahmad Imtiaz[*1] **Asima**[2]

[1] Professor, Department of Urdu, University of Sialkot, Sialkot

[2]Admin Officer, Department of Urdu, University of Sialkot, Sialkot

*Correspondence:

ڈاکٹر مشتاق احمد امتیاز، [1] عاصمہ [2]

[1]پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ، [2]ایڈمن آفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:19-04-2024
Accepted:21-06-2024
Online:27-06-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Pakistan is facing many problems; the problems in the justice system are the most important. In our country, judges are not recruited on the basis of merit. Lawyers' organizations, which are formed to protect the rights of lawyers, play an important role in the appointment of judges. Each organization tries to appoint judges from its own group, which affects impartiality. In our justice system, perjury, poor investigation, political influence and pressure from lawyers' organizations are the problems that are affecting the efficiency of the justice system. Although this important issue has been written in novels like "Aik aur Darya", "Jangloos", "Nadar Lug" and "Judge Sahib", but A novel that presents a complete picture of Nizam-e-Adl is "Haider Goth Ka Bakshan".
The novelist Hafeez Khan has been a judge himself also and has seen this system from a very deep perspective. He has given a good picture of all the weaknesses, shortcomings and mistakes of the justice system. This novel is an important novel of the 21st century in terms of melody and panache.

Keywords: Orientalism, justice system, impartiality, weaknesses, melody, efficiency.

جرم ایک عالم گیر مسئلہ ہے اور زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک ہر معاشرے میں موجود رہا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے جرم ایسے گناہ کو کہتے ہیں جو معاشرتی نظام میں خلل ڈالتا ہے اور دوسروں کے حقوق سلب کرتا ہے۔ قدیم تہذیبوں میں بھی لالچ، انتقام، غربت، جاگیردرانہ نظام، عدم مساوات اور معاشرتی عدم استحکام کی وجہ سے جرائم وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں اور مجرموں کو اس پاداش میں سزائے موت ،قید، عضو کاٹنے اور جرمانے کی سزائیں دی جاتی رہی ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی جرائم کا سلسلہ رکا نہیں بلکہ مجرم نئے سے نئے طریقے اختیار کر کے جرم کر رہے ہیں۔ جرم اصل میں غلطی کا دوسرا نام ہے اور غلطی بعض اوقات دانستہ طور پر ہوتی ہے اور بعض اوقات غیر دانستہ طور پر ہوتی ہے اور اس غلطی پر سزا بھی دی جاتی ہے۔ کرائم ڈکشنری کے مطابق:

"جرم ایسی خلاف ورزی ہے جس کی سزا قانون کے ذریعے دی جائے۔"(1)

معاشرے میں جرائم پر قابو پانے کے لیے مجرم کو سزا دینا ضروری ہے۔ سزا کے لیے قانون بنایا جاتا ہے اور عدالت جرم ثابت ہونے پر سزا کا تعین کرتی ہے۔ عدالت کے جج یا قاضی کے لیے بھی ضابطے طے شدہ ہیں۔ اگر انصاف نہیں ہو گا تو معاشرہ بدامنی، بے راہ روی اور لاقانونیت کا شکار ہو جائے گا اور ناکامی اس کا سبب بنے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انصاف کو اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ججوں قاضیوں اور گواہوں کو خبردار کیا گیا ہے:

"اے ایمان والو! انصاف کے سچے داعی بن جاو اور اللہ کے لیے گواہ بن جاو۔ اگرچہ تمہاری ذات یا تمہارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امیر یا فقیر ہے تو اللہ ان کا بہتر خیر خواہ ہے۔ لہذا تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل نہ چھوڑو اور اگر تم نے کج بیانی سے کام لیا تو جان لو اللہ تمہارے اعمال سے یقیناً خوب باخبر ہے۔"(2)

قرآن حکیم میں کئی دیگر مقامات پر بھی عدل و انصاف کے حوالے سے احکامات ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی ﷺ میں بھی متعدد بار عدل و انصاف کے بارے میں ترغیب دی گئی ہے۔ صحیح مسلم میں آتا ہے:

"حضرت عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عادل و منصف خدا کے یہاں نور کے منبروں پر خدائے رحمن عزوجل کے دائیں جانب ہوں گے اور اس کے دونوں ہی ہاتھ اپنے ہاتھ ہیں۔ یعنی وہ عادل و منصف جو اپنے احکام، اپنے اہل و اپنی ولادیت و حکومت میں دل کرتے ہیں۔"(3)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عدل و انصاف کو بنیادی حیثت حاصل ہے۔ معاشرے کی ترقی اور اسلامی تعلیمات میں عدل و انصاف پر قائم رہنا ضروری ہے۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان کے نظام عدل میں بہت ساری کمزوریاں ہیں۔ جن کی وجہ سے عام آدمی کا اعتماد آہستہ آہستہ اس نظام سے اٹھتا چلا جا رہا ہے۔ یہاں سچے گواہوں کو گواہی سے روکنا، جھوٹے گواہ تیار کرنا، بااثر لوگوں کے کیس فوراً سماعت کے لیے مقرر ہو جانا اور غریبوں کی جیل میں فیصلے کا انتظار کرتے کرتے زندگی ختم ہو جانا، ججوں پر وکلاء تنظیموں، اداروں اور سیاست دانوں کا

دباؤ، ججوں کی سیاسی جماعتوں سے بلواسطہ یا بلاواسطہ وابستگی، وکیلوں کی بہت زیادہ فیس، آئے دن ہونے والی ہڑتالیں، سیاسی بنیادوں پر مقدموں کا اندراج، ناقص تفتیش اور بلاوجہ کے حکم امتناعی ایسے مسائل ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کے نظام عدل کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ عدالتوں پر مقدمات کا بڑھتا ہوا بوجھ اور وکلاء کے تاخیری حربے بھی عام آدمی کے عدالتوں سے مایوس ہونے کا سبب بن رہے ہیں۔

اردو ناول میں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ عبداللہ حسین نے ناول "نادار لوگ" میں، شوکت صدیقی نے "" "جانگلوس" میں طاہرہ اقبال نے "نیلی بار" میں، غافر شہزاد نے استغاثہ میں اور علی اکبر ناطق نے "نو لکھی کوٹھی" میں نظام عدل پر کچھ نہ کچھ بات کی ہے مگر اشرف شاد کا ناول "جج صاحب" اور حفیظ خان کا ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن" ایسے ناول ہیں جو پاکستان کے نظام عدل کی عمدہ تصویر پیش کرتے ہیں۔ اشرف شاد نے جج صاحب میں بتایا ہے کہ کس طرح شاطر وکیل جعلی کاغذات جھوٹی گواہیوں اور اور فرضی کہانیوں کے ذریعے عدالتوں سے مرضی کے فیصلے لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ حفیظ خان نے "حیدر گوٹھ کا بخشن" میں وکلا گردی کے وہ مناظر پیش کیے جن سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح ماتحت عدلیہ کے ججوں کو مرضی کے فیصلے لینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ناول نگار نے بتایا ہے کہ بات نہ ماننے والے ججوں کو کیسے نشان عبرت بنایا جاتا ہے۔

حفیظ خان کا ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن "2023ء میں شائع ہوا۔ کہ اس کا مصنف عدلیہ کا حصہ رہا ہے۔ اس ناول میں ماتحت عدلیہ کے ججوں کے مسائل اور وکلا کی ایسوسی ایشن کے کردار کی عمدہ منظر کشی کی گئی ہے۔ حفیظ خاں سول جج، سیشن جج اور ممبر پنجاب سروس ٹربیونل کے عہدوں پر فائز رہے ہیں اور انہوں نے عدلیہ کے مسائل کا باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ پاکستان کے نظام عدل کے حوالے سے لکھے گئے ناولوں میں سے ایک اہم ناول ہے۔ ناول کے اہم کرداروں میں وکیل راہنما رضوان ہاشمی اور عبدالرب ارباب ہیں اس کے علاوہ انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے اللہ ڈینو جاوید اور بخشن ہیں۔ ایک ریٹائرڈ کرپٹ بیوروکریٹ صاحبزادہ سلطان احمد تونگر، کچھ پولیس افسران اور ایک لڑکی رباب بھی اس ناول کے کردار ہیں۔

وکلا نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے تحصیل، ضلع اور ڈویژن کی سطح پر ایسوسی ایشین بنا رکھی ہیں۔ اسی طرح ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن، سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن اور پاکستان بار ایسوسی ایشن وکلا کی معروف تنظیمیں ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا کام بار اور بینچ کے درمیان پل کا کردار ادا کرنا ہے مگر بدقسمتی سے اکیسویں صدی کے اوائل میں ایک آمر کے خلاف شروع کی گئی وکلا تحریک کے بعد قانون دان، قانون شکن بننے لگے۔ ان کے ہاتھوں نہ ڈاکٹر محفوظ رہے نہ پولیس افسران حتیٰ کہ ماتحت عدلیہ کے جج بھی اکثر جگہوں پر زیر عتاب آئے۔ ناول نگار نے عمدہ انداز میں بتایا ہے کہ کس طرح بار ایسوسی ایشن کا صدر اپنے موکل اور وکلا پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے جج کو بے عزت کرتا ہے۔ جب سرکاری وکیل صدر بار کی پشت پناہی پر جج سے بدتمیزی کرتا ہے تو اس دوران ہونے والا مکالمہ نظام انصاف کا خوب پردہ چاک کر رہا ہے:

"لگتاہے آپ کو عدالت میں پیروی کے آداب سکھانے پڑیں گے،اس سے پہلے کہ پراسیکیوٹر کوئی جواب دیتا صدر بار ایسوسی ایشن بلند آواز میں گرجا۔ جناب آپ پراسیکیوٹر صاحب کو عدالتی پیروی کے آداب بعد میں سکھایئے گا پہلے خود اس کرسی پر بیٹھنے کے آداب سیکھ لیں۔"(4)

سوشل میڈیا کے اس دور میں جہاں ہر شخص کی رائے یا خیال چند منٹوں میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ جاتا ہے وہاں اس کے منفی پہلوؤں سے بھی انکار ممکن نہیں۔ نوجوان نسل میں برداشت، تحمل اور دلیل سے بات کرنے کا رجحان ختم ہوتا جا رہا ہے۔ بعض لوگ سستی شہرت کے لیے ایسے کام کر جاتے ہیں جو کسی طور مناسب نہیں ہوتے۔ یہ عمل نوجوان وکلاء کو بھی تیزی سے متاثر کر رہا ہے۔ نوجوان وکلاء میں سے بعض اپنے آپ کو بطور لیڈر متعارف کروانے کے لیے وہ کام کرتے ہیں جو کسی طور مناسب نہیں ہوتے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ ججوں میں بھی بہت ساری کمزوریاں ہوں گی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک جج کا احترام نہیں ہو گا اس کے فیصلوں کی بھی اہمیت نہیں ہو گی۔ ناول نگار نے ایک ایسے منظر کو بہت عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے کہ جب جج اور وکیل آمنے سامنے ہوتے ہیں تو بعض اوقات نوجوان وکیل جذبات میں وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جو کسی بھی طور پر ان کے پیشے سے لگاؤ نہیں کھاتا۔ قانون دان کا قانون شکن بننا معاشرے کے بے راہ روی پر گامزن ہونے کا واضح ثبوت ہے:

"اس سے پہلے کہ مجسٹریٹ کوئی حکم سنا پاتا۔ اس کی آواز کمرہ عدالت میں برپا ہونے والے بے پناہ شور میں کہیں دب کر رہ گئی پھر بھی اس نے کھڑے ہو کر کچھ بولنا چاہا مگر ایک نوجوان وکیل کا پھینکا ہوا جوتا تڑاخ سے اس کے چہرے پر لگا اور اس کی عینک ٹوٹ کر کہیں دور جا گری۔"(5)

احتجاج کرنا بنیادی انسانی حقوق میں شامل ہے۔ جس کے ساتھ زیادتی ہو اسے حق ہے کہ وہ اپنی آواز ارباب اختیار تک پہنچانے کے لیے احتجاج کا کوئی بھی ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔ عام طور پر پریس کانفرنسوں، جلسوں اور پھر جلوسوں کو احتجاج کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اگر پھر بھی شنوائی نہ ہو تو ہڑتال کی کال دی جاتی ہے۔ وکلا برادری اپنے حقوق کے تحفظ اور کسی بھی معاملے کو ایوان اقتدار کی توجہ کا مرکز بنانے کے لئے ہڑتال کی کال دیتی ہے۔ ہڑتال والے دن کوئی بھی وکیل عدالتوں میں پیش نہیں ہوتا۔ مدعی، مدعا علیہ گواہ سب دور دراز کا سفر طے کر کے آتے ہیں، عدالتوں میں پیش ہوتے ہیں اور پیشی کی اگلی تاریخ لے کر واپس چلے جاتے ہیں۔ کیس میں کوئی پیش رفت یا کسی قسم کی کاروائی ہڑتال کی وجہ سے نہیں ہو پاتی۔ ایک وقت تھا جب چار، چھ ماہ بعد کبھی ہڑتال ہوتی تھی اور وکلا ایک آدھ دن کے لئے عدالتوں کا بائیکاٹ کرتے تھے۔ گزشتہ چند سالوں میں اس رجحان میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ کبھی مقامی بار ایسوسی ایشن کی کال پر عدالتی بائیکاٹ ہوتا ہے تو کبھی ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن، سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن یا پاکستان بار کونسل کی جانب سے ہڑتال کی کال آجاتی ہے۔ ان ہڑتالوں سے سائل تو خوار ہوتے ہی ہیں، مقدمات کے فیصلوں کی رفتار بھی سست پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نئی عدالتیں بننے کے باوجود بتدریج ہر عدالت

میں مقدمات کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ناول میں ان ہڑتالوں کے منفی پہلو کی نشان دہی کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کس طرح بااثر لوگ کیسوں کو لمبا کرنے کے لیے وکلا کے ذریعے بار ایسوسی ایشنز کے نمائندوں سے مل کر ہڑتال کراتے ہیں تاکہ انہیں ہفتہ، دس دن کی مہلت مل جائے اس دوران گواہوں کو دھمکایا یا خریدا جا سکے، جج کو سفارش کرائی جا سکے یا پھر اگلی عدالت سے حکم امتناعی حاصل کیا جا سکے۔ بار کے الیکشن میں کڑوروں خرچ کرنے والے لوگوں میں سے جیت کر کچھ ایسا منفی رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے پوری وکلا برادری کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے:

> "اس کی مہم جو طبع کو کمائی کا ایک آسان ذریعہ اس وقت ہاتھ آیا کہ جب ایک وکیل اپنے موکل کے ساتھ اس کے چیمبر میں آیا اور جیب میں سے دس ہزار روپے کے نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ رضوان ہاشمی نے نوٹ اٹھا کر اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ بس کل ایک دن کی ہڑتال کا نوٹس کر دو۔ یہ دس ہزار تمھارے وکیل نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔"(6)

ہڑتال کے دوران دفتروں کو تالے لگانا پاکستان میں مل مزدور یونین، واپڈا ورکرز یونین اور ریلوے ملازمین نے شروع کیا۔ یہ مزدور اور ملازم معمولی پڑھے لکھے اور بعض تو بالکل ان پڑھ ہوتے تھے مگر ان کی دیکھا دیکھی قانون دانوں نے بھی احتجاج کے دوران کمرہ عدالت اور ججوں کے کمروں کو تالے لگانا اور تالوں میں ایلفی ڈالنے جیسا طریقہ اختیار کر لیا۔ یہ رویہ نوجون وکلا کا ہے جو ججوں سے بد تمیزی کرتے ہیں۔ بھری عدالت میں انہیں بے عزت کرتے ہیں تو کہیں انہیں کمرہ عدالت چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب وکیل خوف کی علامت بن چکے ہیں جو طبقہ کبھی شرافت اور دلائل سے بات کرنے میں مشہور تھا اب ان کی وجہ شہرت بد تمیزی اور بدمعاشی ہے۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبریں اس کی شاہد ہیں۔ عوام ہی نہیں سینئر اور مدبر وکلا بھی ان کے رویے کو پسند نہیں کرتے۔ حفیظ خان نے بحیثیت جج ان مناظر کو دیکھا، سنا اور محسوس کیا اس لیے انہوں نے اس طرح کے واقعات کے حوالے سے مناظر پیش کیے ہیں، ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "کمرہ عدالت کو چونکہ گزشتہ روز ہی وکیلوں نے تالہ لگا کر اس میں ایلفی ڈال دی تھی لہذا اپنے لگائے ہوئے تالے کی حرمت بچانے کے لیے ستر اسّی وکیلوں کا ڈنڈوں سے مسلح جتھا سیشن کورٹ کے صدر دروازے پر پہرا دینے لگا جب کہ شمس پورہ سمیت ضلع کی تمام تحصیلوں میں بھی سبھی عدالتوں کو تالے لگانے کے بعد وہاں ایلفی ڈال دی گئی اور ہر عدالت کے سامنے وکیلوں کا ایک ایک جتھا تالہ نہ ٹوٹنے کی گارنٹی کے طور پر دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔"(7)

پاکستان میں جعلی ڈگریوں کا رجحان بھی عام ہے۔ بااثر لوگ ڈگریاں خرید کر اچھے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ کئی بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھے لوگوں کی ڈگریاں بوگس ہونے کے حوالے سے خبریں شائع ہو چکی ہیں مگر وہ بدستور ملازمت کر رہے ہیں۔ ایک عرصہ تک بار کونسل بغیر ڈگری کی تصدیق کے وکالت کا لائسنس جاری کرتی رہی۔ جب شکایات حد سے بڑھ گئیں تو وکلاء کی ڈگریوں کی تصدیق شروع

کی گئی اور کئی نامی گرامی وکلا کی ڈگریاں جعلی ثابت ہونے پر ان کے لائسنس منسوخ کیے گئے۔ جج کی تعیناتی کے لئے وکیل ہونا ضروری ہے تو ایسے حالات میں کچھ ایسے وکلا بھی جج تعینات ہو گئے ہوں گے جن کی ڈگریوں پر سوالیہ نشان تھا۔ ناول نگار نے اس المیے کی نشاندہی کی ہے کہ جب جج صاحبان اور وکلا کی ڈگریاں مشکوک ہوں گی تو انصاف کے تقاضے کیسے پورے ہوں۔ ہماری عدالتی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جہاں مشکل وقت آیا اعلیٰ عدلیہ کے بہت سارے جج اصول پر ڈٹ گئے مگر کچھ نے نظریہ ضرورت کا سہارا لے کر آمروں کا ساتھ دیا۔ ایسا کام وہی جج کرتے ہیں جن کی ڈگریاں مشکوک ہوتی ہیں یا کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے بلیک میل ہو کر وہ نظریہ ضرورت ایجاد کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جعلی ڈگری کا حامل جج کبھی دباؤ کا سامنا نہیں کر پاتا:

> "مہر صاحب یہ دن بھی دیکھنے تھے کچہریوں میں۔ جس کی اپنی ایل ایل بی کی ڈگری جعلی ہے۔ وہ ہم سے وکالت نامہ پوچھ رہا ہے۔ آپ لگائیں نا شکایت اوپر اس کی نااہلی، کرپشن اور برے رویے کی پھر دیکھتے ہیں کیسے وکالت نامہ مانگتا ہے، سینئر موسٹ وکیلوں سے! اس ملک کا جوڈیشل سسٹم ہی برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ لوئر جوڈیشری کے ان نالائق ججوں نے "(8)

بار اور بینچ کو گاڑی کے دو پہیے کہا جاتا ہے مگر جب دونوں پہیوں میں سے کسی ایک کی ہوا کم ہو، رم ٹیڑھا ہو یا بیرنگ ٹوٹ جائے تو پھر گاڑی کی رفتار میں کمی آ جاتی ہے۔ یہی مسئلہ ہماری عدلیہ کا ہے، کہیں بار مسائل کا شکار ہے تو کہیں بینچ، مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ وکلا کے حقوق کی محافظ بار ایسوسی ایشنوں کے ممبران اور عہدیدار جب اپنے دائرہ سے باہر نکلتے ہیں تو عدلیہ کے لئے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ وکلا راہ نما بعض اوقات اپنے مخالف دھڑے کو نیچا دکھانے اور اپنی طاقت ثابت کرنے کے لیے نئی نئی چالیں چلتے ہیں کسی بات پر ایک دوسرے کے مخالف نظر آتے ہیں تو کسی بات پر متفق نظر آتے ہیں۔ ناول نگار نے بتایا ہے کہ کس طرح عبدالرب ارباب نے رضوان ہاشمی کو نیچا دکھانے کے لئے چال چلی۔ حفیظ خاں نے اس مسئلے کو دلچسپ اجاگر کیا ہے:

> " اب یہ اس کی خوش قسمتی کہ وکلا کے تمام مخالف دھڑے اس کی حمایت میں اس لیے اکٹھے ہو گئے کہ ان کی پشت پر عبدالرب ارباب کی سیاست تھی جو ہر قیمت پر رضوان ہاشمی کو وکلاء سیاست سے بے دخل کرنے کے درپے تھا۔"(9)

حفیظ خان نے "حیدر گوٹھ کے بخشن" میں واضح کہا ہے کہ سرمائے کے کھیل نے وکلا کی تنظیموں کے انتخابات میں فیصلہ کن کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ تنظیموں کے عہدیداروں کو ملنے والے پروٹوکول کی وجہ سے ہر امیدوار ہر صورت میں جائز ناجائز طریقے سے جیتنے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض وکلا کی تو پریکٹس چلتی ہی ایسوسی ایشن کے بل بوتے پر ہے۔ ناول نگار نے تنظیموں کے منفی کردار کو خوب اجاگر کیا ہے۔ حفیظ خاں کی ناول نگاری کے حوالہ سے خورشید ربانی لکھتے ہیں:

> " حفیظ خان نے اب تک لکھے گئے تمام ناولوں میں اسلوب بیانیہ رکھا ہے۔ تکنیک کی ایک یک رنگی کے علاوہ ان ناولوں میں محروم طبقات کی نمائندگی، استحصالی قوتوں کے طریقہ واردات،

ظلم کی چکی میں پستے عوام اور خواتین کی بے بسی اور ان کی سماجی حیثیت کی صدیوں سے جاری پامالی ان کے تمام ناولوں میں مشترک عناصر ہیں۔"(10)

پاکستان کے نظام عدل کے حوالے سے حفیظ خاں نے "حیدر گوٹھ کے بخشن" میں تمام کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔ان میں گواہوں کی خرید و فروخت، حکم امتناعی کا غلط استعمال، فرضی ثبوت بنانا اور اصلی ثبوت ضائع کرنا۔ ناقص نظام تفتیش، پولیس اور وکلاء کی ملی بھگت، وکلاء کی بہت زیادہ فیس، عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ، ججوں پر حکومتی دباؤ، وکلا ایسوسی ایشنوں کے منفی رویے اور میرٹ سے ہٹ کر سیاسی وابستگی کی بنیاد پر ججوں کی بھرتی وہ رکاوٹیں ہیں جو نظام عدل کے راستے میں حائل ہیں یہی وجہ ہے کہ عام آدمی کا نظام عدل سے اعتماد ختم جا رہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جھوٹے گواہوں کو سزا اور ناقص تفتیش کرنے والے پولیس افسروں کو ملازمت سے فارغ کیا جائے۔ ججوں کی تعیناتی خالص میرٹ پر کی جائے اور وکلاء تنظیموں کے کردار کو محدود کیا جائے۔ حکم امتناعی کا اختیار محدود کیا جائے اور عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ کم کیا جائے۔ دونوں ناول نگاروں نے اس اہم موضوع کو بہت عمدہ انداز میں زیر بحث لا کر عدالتہ نظام کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے اور اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس پر کسی دوسرے کو لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔انہوں نے اپنا مدعا بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے جو لائق تحسین ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1. Morriam-webster.com, Dictionary, merriam-webster, https//www.marriam-webster.com/dictionary/crime,Accessed 9 Oct, 2023.
2. القرآن، سورۃ النسا-134
3. صحیح مسلم، آن لائن، حدیث نمبر1837
4. حفیظ خان، حیدر گوٹھ کا بخشن، (جہلم: بک کارنر، 2022ء)، ص۔22
5. حفیظ خان، حیدر گوٹھ کا بخشن، ص۔28
6. ایضاً، ص۔84
7. ایضاً، ص۔227
8. ایضاً، ص۔26
9. ایضاً، ص۔252

10. خورشید ربانی، پاکستانی ادب کے معمار، سلسلہ 154، (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2021)ص۔28